تزکیہ وتصوُّف اور خانقاہی نظام

چند اشکالات کا تجزیہ

مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذِ جامعہ

علماء دیو بند اور حاصلِ تزکیہ وتصوُّف

تزکیہ وتصوُّف کے مباحث ان موضوعات میں سے ہیں جن کی توضیح وتفصیل، تنقیح وتہذیب اور تائید وتردید میں لکھی گئی کتب ورسائل سے بلا مبالغہ ایک پورا کتب خانہ وجود میں آچکا ہے، اس موضوع کے متعلق تفصیل کی خواہاں طبائع کو ان کتب میں سامانِ تسکین تلاشنا چاہیے، یہاں اختصار کے پیشِ نظر علماء دیو بند میں سے' تزکیہ وسلوک کے میدان سے علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے وابستہ تین نمایاں بزرگوں کے مختصر شذرے پیش کیے جارہے ہیں:

❶-فقیہُ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ برس ہا برس کی تحقیق ومطالعہ اور تجربہ ومشاہدہ کی روشنی میں ''عطرِ تصوف'' کشید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''صوفیاء کا علم نام ہے ظاہر وباطن علمِ دین اور قوتِ یقین کا، اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف لَو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندے کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہوجانا ہے۔ صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق ہے، حسبِ فرمانِ خداوند تعالیٰ کہ بیشک تم بڑے خُلق پر (پیدا کیے گئے) ہو، اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے (اس پر عمل' اخلاقِ صوفیہ میں داخل ہے)۔

صوفی کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے:

①-اپنے آپ کو کمتر سمجھنا، اور اس کی ضد تکبّر ہے۔

②-مخلوق کے ساتھ تلطّف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔

③-نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ وغضب کو چھوڑ دینا۔

④- ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا مخلوق پر فرطِ شفقت کے ساتھ، جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظِ نفسانی پر مقدّم رکھا جائے۔

⑤- سخاوت کرنا۔ ⑥- درگزر اور خطا کا معاف کرنا۔

⑦- خندہ روئی اور بشاشتِ جسم۔ ⑧- سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔

⑨- تصنُّع اور تکلُّف کا چھوڑ دینا۔

⑩- خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔

⑪- خدا پر بھروسہ کرنا۔ ⑫- تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا۔

⑬- پرہیزگاری۔ ⑭- جنگ وجدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔

⑮- بغض وکینہ وحسد نہ رکھنا۔ ⑯- عزت وجاہ کا خواہش مند نہ ہونا۔

⑰- وعدہ پورا کرنا۔ ⑱- بردباری۔

⑲- دُور اندیشی۔

⑳- بھائیوں کے ساتھ موافقت ومحبت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا۔

㉑- مُحسن کی شکرگزاری۔ ㉒- اور جاہ کا مسلمانوں کے لیے خرچ کرنا۔

صوفی، اخلاق میں اپنا ظاہر وباطن مہذّب بنالیتا ہے، اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہِ اَحدیّت کا ادب یہ ہے کہ ما سوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے، شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اِجلال وہیبت کے سبب۔ بدترین معصیت ہے تحدیثُ النفس یعنی نفس سے باتیں کرنا، اور ظلمت کا سبب ہے۔'' (ماخوذ از امداد السلوک، ص: ۴۶، ادارہ اسلامیات، لاہور)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ تحریر اُن کے گہرے تفقّہ کا ثمرہ اور نظریہ وعمل کے اجتماع کا نتیجہ ہے، اُن کے فتاویٰ ومکاتیب اور رسائل میں جابجا اس نوع کے بہت سے سچے موتی بکھرے ہیں، جو ایک لڑی میں پروئے جانے کے لیے کسی ماہرِ فن جوہری کے منتظر ہیں۔

❷- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنا حاصلِ تحقیق ایک مختصر نکتے کی صورت میں یوں قلم بند فرمایا ہے:

''تصوف کا حاصل یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو' سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرلے، اور جس گناہ کا تقاضا ہو' تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچ جاوے، شیخ کا بس یہی کام ہے کہ وہ اس بات کے حاصل کرنے کی تدبیریں بتلاتا ہے، اور کچھ نہیں کرتا۔'' (خطباتِ حکیم الامت: ۱۱/ ۲۱۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں بھی اس موضوع پر بہت مواد بکھرا ہوا ہے، بعض اہلِ علم نے

انہیں یکجا کرنے کی غرض سے مفید کاوشیں فرمائی ہیں۔

❸-حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحبِ علم نے تصوف کی حقیقت کے متعلق استفسار فرمایا تو حضرت شیخ نے اپنے مُحدّ ثانہ ذوق کے مطابق اس عُقدہ کو حل کرتے ہوئے فرمایا:

''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' سارے تصوف کی ابتدا ہے اور ''اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ'' سارے تصوف کا منتہا ہے، اسی کو ''نسبت'' کہتے ہیں، اسی کو ''یادداشت'' کہتے ہیں، اسی کو ''حضوری'' کہتے ہیں:

حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ!
مَتٰی مَا تَلْقَ مَنْ تَهْوٰی دَعِ الدُّنْیَا وَأَمْهِلْهَا

.... سارے پاپڑ اسی کے لیے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی واسطے ہے، مجاہدہ اور مراقبہ بھی اسی واسطے ہے، اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بعد اکابر اور حکماء اُمت نے قلبی امراض کی کثرت کی بنا پر مختلف علاج، جیسا کہ ''اَطِبّاء'' بدنی امراض کے لیے تجویز کرتے ہیں، ''روحانی اَطِبّاء'' نے روحانی امراض کے لیے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات (جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط تھے)، نسخے تجویز فرمائے ہیں، جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔'' (آپ بیتی: ۱/۵۸-۵۹، مکتبہ عمر فاروقؓ، کراچی)

اکابر علماء دیوبند کی کتب و رسائل میں درج مذکورہ تین اقتباسات کے متعلق یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ شذرے، تزکیہ و تصوف کے تئیں علماء دیوبند کے طرزِ فکر کے نمائندہ، اُن کے مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ اور اُن کے مزاج و مذاق کا آئینہ ہیں۔ بلاشبہ علماء دیوبند نے اس معاملے میں نہ تو کلی طور پر رد اور انکار کی رَوِش اپنائی اور نہ ہی بے راہ رو صوفیاء کی شطحیات اور گمراہ کن افکار کے بے بنیاد دفاع کا راستہ چُنا ہے، بلکہ یہ بزرگ اس خارزار وادی میں افراط و تفریط کے کانٹوں سے دامن بچاتے ہوئے اعتدال کی راہ پر گامزن رہے، ''شریعت و طریقت میں تلازم'' کے قائل رہے اور عملاً اسی نظریہ و عمل کے پابند رہے ہیں۔

تصوف و سلوک اور خانقاہی نظام کے متعلق مختلف شبہات پیش کیے جاتے ہیں، پیش نظر تحریر میں چند عمومی اشکالات کا طالب علمانہ تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے:

کیا تصوف بدعت ہے؟!

اشکال: بعض حضرات تصوف کو بدعت کہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا واقعی یہ بدعت ہے؟

جواب: تصوف وسلوک اور خانقاہی نظام کی حقیقت سے شناسائی کے لیے چند بنیادی امور کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے، ان امور پر غور وفکر سے ان شاء اللہ مذکورہ اشکال سمیت بہت سے اشکالات وشبہات دور ہونے کی قوی امید ہے:

انسانی اعمال بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں:

- بعض اعمال کا تعلق محض انسان کے ظاہر سے ہے، جیسے: کھانا پینا، سونا، وغیرہ۔
- بعض اعمال' انسان کے باطن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، جیسے: دل میں اللہ کی یا انسانوں کی رضا جوئی کا جذبہ، وغیرہ۔

دینِ اسلام نے ان دونوں قسم کے اعمال کے متعلق احکام دیے ہیں، مثلاً: ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا'' (اعراف:۳۱) ''اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو۔'' اس نوعیت کے احکام کا تعلق قسمِ اول کے ساتھ ہے، اور ''وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ'' (احزاب:۳) ''اور بھروسہ رکھ اللہ پر'' اس نوع کے احکام کا تعلق قسمِ دوم سے ہے۔

شریعت میں جیسے ظاہری اعمال کے متعلق احکام پر عمل کی اہمیت ہے، اسی طرح باطنی اعمال سے متعلقہ احکام کا بھی اپنا مقام ہے، انھیں باطنی اعمال اور ان سے متعلق احکام سے ''علمِ تصوف'' میں بحث کی جاتی ہے، اور تصوف کا ہی دوسرا نام ''علمِ اخلاق'' یا ''علمِ احسان'' یا ''تزکیہ وسلوک'' ہے۔

اس نکتے کو ایک دوسرے پیرائے میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں ''حدیثِ جبرئیلؑ'' مشہور حدیث ہے، جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کیے تھے، پہلا سوال یہ تھا: ''أخبرني عن الإسلام؟''، ''مجھے اسلام کے بارے میں بتلایئے کہ اسلام کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الإسلام أن تشهد أن لا إلٰه إلا الله وأن محمدا رسول الله، وتقيم الصلوة، وتؤتي الزكوة، وتصوم رمضان، وتحجّ البيت إن استطعت إليه سبيلا''، ''اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرے، اور زکاۃ ادا کرے، اور رمضان المبارک کے روزے رکھے، اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے بعد دوسرا سوال کیا کہ: ''أخبرني عن الإيمان؟''، ''مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الأخر، وتؤمن بالقدر خيره وشرّه.''، ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔''

اس جواب کی تصدیق کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیسرا سوال کیا: ''أخبرني عن

الإحسان؟ ''، ''مجھے احسان کے متعلق بتایئے؟''، آپ ﷺ نے اس کا جواب یوں مرحمت فرمایا: ''أن تعبد اللہ کأنك تراہ، فإن لم تکن تراہ فإنہٗ یراك.''، ''تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ کیفیت نہ بنے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے تو یہ یقین رکھ کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب معرفة الإیمان والإسلام والقدر وعلامة الساعة، (۱/ ۲۸)، رقم الحدیث: ۸، ط: دار الطباعة العامرة)

اس حدیث کو دین کے خلاصے پر مشتمل جامع احادیث میں شمار کیا گیا ہے، اور درحقیقت یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور جوامع الکلم میں سے ہے۔

اس حدیث کے مذکورہ حصے کی روشنی میں دینی احکام وعلوم کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

①- دین کے بنیادی عقائد واصول۔

②- اعمالِ ظاہرہ کے متعلق احکام۔

③- اعمالِ باطنہ کے متعلق احکام۔

حدیث بالا میں دوسرے سوال کے جواب میں تصحیحِ عقائد کا ذکر ہوا ہے، پہلے سوال کے جواب میں اصلاحِ ظاہر کا مضمون آ گیا ہے، جب کہ تیسرے سوال کے جواب میں اصلاحِ باطن کے احکام کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہؓ میں جامعیت کی شان موجود تھی، اس لیے علوم کی تقسیم کی ضرورت نہیں تھی، بعد میں جب خیر القرون سے دوری کے ساتھ ساتھ استعدادوں میں ضعف آتا گیا تو علماءِ امت نے ان تینوں علوم کے متعلقہ احکام ومسائل کو جدا جدا مدوّن کردیا، چناں چہ:

①- عقائد واصول کے متعلق قرآن وحدیث کی ہدایات اور تعلیمات کو الگ مدون کرکے اس کا نام ''علمِ کلام'' رکھا گیا۔

②- اعمالِ ظاہرہ کے متعلق کتاب وسنت کے احکام کے مجموعے کا نام ''علمِ فقہ'' قرار پایا۔

③- اعمالِ باطنہ کے بارے میں قرآن وحدیث کی ہدایات کا نام ''علمِ اخلاق''، ''علمِ احسان'' اور ''علمِ تصوف'' رکھا گیا۔

متقدمین اہلِ علم کے نزدیک ان تینوں علوم کے مجموعے کا نام ''علمِ فقہ'' تھا، متأخرین نے استعدادوں کے ضعف کا مشاہدہ کرتے ہوئے تینوں کو الگ مدوّن کرکے جدا جدا نام دے دیے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ تصوف وسلوک کوئی نو ایجاد شئے نہیں، بلکہ دین کا ایک اہم اور بنیادی عنصر ہے، اس لیے دین ظاہری وباطنی دونوں قسم کے اعمال کے متعلقہ احکام کے مجموعے کا نام ہے،

اور تصوف ٗ اعمالِ باطنہ سے تعلق رکھنے والے احکام کو کہا جاتا ہے، لہٰذا تصوف کو بدعت کہنا دین سے ناواقفیت کی علامت ہے۔

کیا خانقاہی نظام اور تصوف پانچویں صدی کی ایجاد ہے؟

اشکال: یہ بات بھی کی جاتی ہے کہ خانقاہی نظام اور تصوف ٗ پانچویں صدی میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے شروع ہوا ہے، اس سے پہلے اَسلاف میں اس سلسلے کا ذکر نہیں ملتا ہے، لہٰذا یہ بدعت ہے۔

جواب: خانقاہی نظام کے متعلق مذکورہ اعتراض درحقیقت دینی تاریخ سے عدمِ مناسبت کی علامت ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار بنیادی مقاصد بیان کیے گئے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ‘‘ (البقرۃ:۱۲۹)

ترجمہ: ’’اے ہمارے پروردگار! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو۔‘‘

اسی طرح کی آیات سورۂ بقرہ (۱۵۱)، سورۂ آلِ عمران (۱۶۴) اور سورۂ جمعہ (۲) میں بھی مذکورہ ہیں۔ ان چاروں آیات پر غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے:

① - تلاوتِ آیات۔ ② - تعلیمِ کتاب۔
③ - تعلیمِ حکمت۔ ④ - تزکیۂ نفوس۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ان تمام مقاصد کو بدرجۂ اتم پورا فرمایا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین کے ظاہری احکام کی تعلیم دیتے تھے، وہیں ان کی باطنی اخلاقی تربیت بھی فرماتے تھے، جہاں آپ معلّم تھے وہیں مزکّی بھی تھے اور تزکیۂ نفوس کا عظیم فریضہ بھی بحسن وخوبی ادا فرماتے تھے، گویا مسجدِ نبوی صرف مدرسہ ہی نہیں، اصلاح وارشاد کی ایک تربیت گاہ بھی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عہدِ صحابہؓ میں بھی جامعیت کی یہ شان موجود رہی، لیکن بعد میں یہاں بھی مجبوراً، بلکہ تکوینی طور پر تقسیم کار کی راہ اپنانی پڑی، اور علماء امت (جو آپ علیہ السلام کے ورثاء تھے، ان) کے ایک طبقے نے دعوت کا میدان سنبھالا، ایک جماعت نے درس وتدریس کے ذریعے دین اور علومِ دین کی اشاعت کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، اور ایک گروہ نے تزکیہ وسلوک کا فریضہ نبھایا۔ اسی طرح دین کی خدمت کے دیگر شعبوں میں بھی تقسیم کا اصول اپنایا گیا، استعدادوں کے ضعف کی بنا پر یہ بالکل فطری نظام تھا، الحمد للہ آج

تک یہ تمام کوششیں جاری وساری ہیں اور علماء امت اور مقتدایانِ ملت ہر میدان میں اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ بارك الله في جهودهم وكثّر من أمثالهم!

مذکورہ وضاحت سے معلوم ہوا کہ نظامِ تزکیہ واحسان اور اصلاح وارشاد کی بنیاد خود عہدِ نبوی میں ہی تھی، البتہ مرورِ زمانہ کے ساتھ تغیرِ احوال کی بنا پر اس کے ظاہری نظام میں تبدیلیاں آتی گئیں اور تربیت وتزکیۂ نفوس کا مقصد حاصل کرنے کی خاطر قرآن وسنت کی روشنی میں تجربات ومشاہدات سے مفید سمجھ کر بہت سے امور اپنا لیے گئے، لہٰذا خانقاہی نظام کو سرے سے دین سے خارج اور بدعت قرار دینا یا پانچویں صدی کی ایجاد باور کرانا تاریخ سے ناانصافی ہی نہیں، ایک واضح حقیقت سے چشم پوشی بھی ہے۔

کیا خانقاہیں قرآن وحدیث کی تعلیم سے دور ہیں؟

اشکال: یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ مروّجہ خانقاہی نظام قرآن وحدیث کی تعلیم سے عاری ہے، خانقاہوں میں قرآن وحدیث کا درس نہیں دیا جاتا۔

جواب: یہ اشکال بھی درست نہیں، اولاً تو یہ مشائخِ حقہ عملی تربیت کے ذریعے قرآن وحدیث کے احکام کا ہی درس دیتے ہیں، ثانیاً تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو خانقاہیں بھی قرآن وحدیث کے غلغلوں سے گونجتی دکھائی دیتی ہیں، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن وحدیث سے شغف کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں، اور ماضی قریب میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہوں میں باقاعدہ درسِ قرآن وحدیث کی محفلیں سجتی رہی ہیں، ان بزرگوں کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتب ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، آج بھی مشائخِ حقہ کی خانقاہیں ''قال الله وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کی صداؤں سے معمور رہتی ہیں۔

البتہ اگر معترضین کی مراد یہ ہے کہ تمام خانقاہیں، مدارس کیوں نہیں بنتیں؟ تو اس کا جواب گزر چکا ہے کہ آج کے دور میں ایسی جامع شخصیات کا وجود معدوم تو نہیں، لیکن نادر ضرور ہے، جو بیک وقت تمام شعبوں کو لے کر چل سکیں؛ اس لیے تقسیمِ کار کا یہ نظام بالکل فطری ہے کہ تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ باطن کے لیے خانقاہیں ہوں اور حصولِ علم وآگاہی کے لیے مدارس کی فضائیں آباد رہیں، اگرچہ جامعیت کی وہ شان اور فضا ہر مومن کامل کی آرزوؤں کی تکمیل ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے پیشِ نظر اہل سنت والجماعت کے معتبر مشائخ کی اصلاح وارشاد سے جڑی معتمد خانقاہیں ہیں، شریعت سے نابلد وبے عمل گدی نشینوں اور بدعقیدہ صوفیاء کی شطحیّات وبدعات اور گمراہی وبے راہ روی کا دفاع ہرگز مقصد نہیں۔

کیا مسنون اذکار وادعیہ، اصلاحِ نفس کے لیے کافی نہیں؟

اشکال: تصوف کے اذکار، اوراد و اشغال پر بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ کیا قرآن وحدیث میں مذکور اذکار، اوراد واشغال اصلاحِ نفس اور تزکیہ کے لیے کافی نہیں ہیں؟ اگر کافی ہیں تو پھر اہلِ تصوف خودساختہ اشغال، اوراد اور وظائف مریدین کو کیوں بتاتے ہیں؟

''القول الجمیل'' میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ: ''متصوفین کے اشغال اور وظائف مقصود بالذات نہیں ہیں، مقصود تو نسبتِ باطنی ہے، یہ ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔'' (دیکھیے: ''القول الجمیل مع اردو ترجمہ شفاء العلیل ساتویں فصل، ۱۰۳ تا ۱۱۵، ایچ ایم سعید، کراچی)

اس بنیاد پر معترضین کا کہنا ہے کہ ذریعہ اور وسیلہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اصل مقصود سے کام نہ بنتا ہو، تو یہ بات کس طرح درست ہے کہ تزکیۂ نفس اور نسبتِ باطنی قرآن وحدیث کے اذکار اور وظائف سے حاصل نہ ہو اور صوفیاء کرام کو ان کے لیے خودساختہ وظائف اشغال تجویز کرنے کی ضرورت محسوس ہو؟

جواب: یہ نکتہ واضح رہنا چاہیے کہ دیگر بہت سے احکام کی طرح خانقاہی نظام کا ہر ہر جز تو قرآن وحدیث میں مذکور نہیں، محققین مشائخ وصوفیاء کو نہ اس کا دعویٰ ہے اور نہ ہی اس کے ثبوت کے لیے وہ بودی دلیلوں کا سہارا لینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، بہت سے امور اگرچہ منصوص نہیں، لیکن ''مستنبط من النصوص'' ضرور ہیں، اور بعض امور اکابر ومشائخ نے اپنی زندگی کے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں خلقِ خدا کی اصلاح کے لیے مفید جان کر اختیار کیے ہیں۔ تزکیہ وسلوک کی اس ساری جد وجہد کی اصل غرض باطنی رذائل سے نفس کی اصلاح اور حق جل مجدہٗ کے قرب ورضا کا حصول ہے، اس مقصود کے حصول کا اصل ذریعہ تو تلاوتِ قرآن اور ادعیہ واذکارِ مسنونہ کا اہتمام ہی ہے، اور اسی بنا پر مشائخِ حقہ ہمیشہ سے تلاوتِ کلام اللہ اور اذکار وتسبیحاتِ مسنونہ کو اپنے معمولات میں داخل کرتے چلے آتے ہیں، اگر کسی شخص کی اصلاحِ باطن ان ماثور ومسنون اعمال واذکار کے اہتمام سے ہوجاتی ہے تو اس کو دیگر اوراد و اشغال کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس قدر زمانۂ نبوت سے بُعد ہوتا گیا، قلوب کی بھی وہ کیفیت باقی نہ رہی اور نفوس پر مُردنی چھاتی گئی، اب لوگوں کی حالت یہ ہوگئی کہ تلاوتِ قرآن میں لطف نہیں آتا اور غیبت کی لذت سے طبائع آشنا ہیں، ایسی صورتِ حال میں آلودہ قلوب کے زنگ کو دور کرنے اور انھیں صیقل کر کے اذکار واورادِ مسنونہ اور تلاوتِ قرآن کے لطف سے مانوس کرنے کے لیے مشائخِ صوفیاء نے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ایسے اشغال واعمال تجویز فرمائے جن سے دل کی ظلمت دور ہو اور اعمالِ خیر کی نورانیت سے قلب معمور ہو، چناں چہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’اشغالِ صوفیہ بطورِ معالجہ کے ہیں، سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے، جیسا اصل علاج ثابت ہے، مگر شربتِ بنفشہ‘ حدیثِ صریح سے ثابت نہیں۔ ایسا ہی سب اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے۔ جیسا توپ، بندوق کی اصل ثابت ہے، اگرچہ اس وقت میں نہ تھی، سو یہ بدعت نہیں، ہاں ان ہیئات کو سنتِ ضروری جاننا بدعت ہے اور اس کو علماء نے بھی بدعت کہا ہے۔‘‘

(فتاویٰ رشیدیہ،ص:۲۲۱،ط:ایچ ایم سعید،کراچی)

چناں چہ مشائخ حقہ ان اشغال واَوراد اور اَعمال کو محض حصولِ مقصود کی خاطر تدابیر سمجھ کر ہی ان پر عمل کرواتے ہیں، ان کو عباداتِ مقصودہ یا سنت وضروری نہیں سمجھتے، نیز اپنے متوسلین ومتعلقین کو بھی وقتاً فوقتاً اس حقیقت سے آگاہ کرتے چلے آتے ہیں۔ اکابر کے ملفوظات اس پر شاہدِ عدل ہیں، لہٰذا ان اَوراد واَعمال کو مطلقاً بدعت کہنا درست نہیں، البتہ ان کو لازمی وضروری اور عباداتِ مقصودہ وسنت سمجھنا ضرور بدعت ہے۔

علمِ احسان وعلمِ تزکیہ کے متعلق چند مفید کتب

نظامِ تزکیہ وسلوک کے متعلق مزید تفصیل کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا:

①-مسائل السلوك من كلام ملك الملوك (مسائلِ تصوف) از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

②-التشرّف بمعرفة أحاديث التصوّف از حضرت مولانا اشرف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

③-التكشّف عن مهمّات التصوف از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

④-شریعت وطریقت کا تلازم از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

⑤-عمدۃ السلوک از مولانا زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

⑥-تصوف کیا ہے؟ مجموعہ مقالات مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد اویس ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

⑦- رسالة المسترشدين للحارث المحاسبي رحمۃ اللہ علیہ بتحقيق وتعليق الشيخ عبدالفتاح أبو غدة رحمۃ اللہ علیہ

کیا اذکار وغیرہ کو تسبیح وغیرہ کے ذریعہ شمار کرنا ثابت نہیں؟

اشکال: صوفیاء کے ہاں اَذکار واَوراد کے لیے مروجہ تسبیح کا استعمال بھی کیا جاتا ہے، اس بابت بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح لے کر پڑھنا غلط ہے: اس لیے کہ عیسائی بھی اپنے ہاتھ میں تسبیح لے کر پڑھتے ہیں؟ اُن کا کہنا ہے کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال شدہ چیزیں رکھی ہوئی ہیں، ان میں ہمیں

آپ ﷺ کا عمامہ، برتن وغیرہ ملے ہیں، لیکن تسبیح نہیں ملی۔ پہلے تسبیح کا کوئی تصوّر نہیں تھا، لہٰذا تسبیح کا استعمال بدعت ہے، اور جب ہم اللہ کی عبادت کررہے ہیں تو گن کر کیوں کریں؟

جواب: ذکرواَذکار کا شمار جس طرح ہاتھ کی انگلیوں پر ثابت ہے، اسی طرح دانوں یا کنکریوں یا گٹھلیوں پر شمار کرنے کے متعلق بھی کتبِ حدیث میں بہت سی روایات ملتی ہیں، ذیل میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

①-’’عن كنانة مولى صفية قال: سمعت صفية تقول: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم، وبين يدي أربعة ألاف نواة أسبّح بها، قال: لقد سبّحت بهذه، ألا أعلّمك بأكثر مماسبّحت به؟! فقلت: بلى، علّمني، فقال: قولي: سبحان الله عدد خلقه.‘‘(سنن الترمذي، أبواب الدعوات: ٢/ ١٩٤، ط: مير محمد)

ترجمہ: ’’حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میرے سامنے چار ہزار گٹھلیاں تھیں، جن کے ذریعہ میں تسبیح پڑھ رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان گٹھلیوں کے ذریعہ تسبیح پڑھی۔ کیا میں تمہیں ان کلمات سے زائد نہ سکھلاؤں جن کے ذریعہ تم نے تسبیح پڑھی؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟! مجھے سکھلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کہو: ’’سبحان الله عددَ خلقه‘‘ (میں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہوں، اس کی مخلوق کی تعداد کے بقدر)۔‘‘

②-’’عن عائشة بنت سعد بن أبي وقاص عن أبيها أنه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على امرأة وبين يديها نواة - أو قال: حصاة. تسبّح بها. فقال: ألا أخبرك بما هو أيسر عليك وأفضل؟ سبحان الله عدد ماخلق في السماء، وسبحان الله عدد ما خلق في الأرض، وسبحان الله عدد ما بين ذٰلك، وسبحان الله عدد ما هو خالق، والله أكبر مثل ذلك، والحمد لله مثل ذٰلك، ولا حول ولا قوة إلا بالله مثل ذٰلك.‘‘(سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلي الله عليه وسلم وتعوذه في دبر كل صلوة: ٢/ ١٩٦)

ترجمہ: ’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ ان کے والد، نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک خاتون کے پاس گئے، ان کے سامنے گٹھلیاں تھیں، ایک اور روایت کے مطابق ان کے پاس کنکریاں تھیں، وہ ان کے ذریعہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ ذکر نہ بتلاؤں جو تمہارے لیے اس سے آسان اور بہتر ہے؟ ’’سبحان الله عدد ماخلق في السماء‘‘ (اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے آسمانی مخلوقات کی تعداد کے بقدر)۔ ’’وسبحان الله عددَ ما خلق في الأرض‘‘ (اور اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے زمینی مخلوقات کی تعداد کے بقدر)۔ ’’وسبحان الله عدد مابين

ذٰلك‘‘ (اور اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے فضائی مخلوقات کی تعداد کے بقدر)۔ ’’وسبحان الله عدد ما هو خالق‘‘ (اور اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر، جس کو اللہ تعالیٰ آئندہ پیدا کرنے والے ہیں۔) اور اسی طرح ابتدا میں ’’سبحان الله‘‘ کے بجائے الله أكبر لگا کر یہ چاروں جملے کہے اور اسی طرح ابتدا میں الحمد لله لگا کر یہ چاروں جملے کہے اور اسی طرح ابتدا میں ’’لاحول ولاقوة إلا بالله‘‘ لگا کر یہ چاروں جملے کہے۔‘‘

مذکورہ دونوں روایات کو ذکر کر کے علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’والحديثان الآخران يدلّان على جواز عد التسبيح بالنوى والحصى، وكذا بالسبحة؛ لعدم الفارق؛ لتقريره صلى الله عليه وسلم للمرأتين على ذٰلك، وعدم إنكاره، والإرشاد إلى ما هو أفضل لا ينافي الجواز.‘‘ (نيل الأوطار، أبواب صفة الصلوة، باب جواز عقد التسبيح باليد وعده بالنوى: ۲/ ۳۱۷،۳۱۶، ط: دار الحديث، قاهره)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں عورتوں کو گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیحات پڑھتے دیکھ کر سکوت کرنا اور انکار نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل جائز ہے۔

۳- ’’عن علي رضي الله عنه مرفوعا: نعم المذكّر السُّبحة.‘‘ (أيضا: ۲/ ۳۱۷)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا کہ: ’’تسبیح بہترین یاددہانی کرنے والی ہے۔‘‘

۴- صحابہؓ میں سے حضرت ابوہریرہ و حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کا بھی تسبیحات کو دانوں پر پڑھنے کا معمول نقل کیا گیا ہے۔ ’’مصنف ابن أبي شيبة‘‘ میں ہے:

’’عن أبي النضرة عن رجل من الطفاوة قال: نزلتُ على أبي هريرة ومعه كيس فيه حصى أو نوى، فيقول: ’’سبحان الله، سبحان الله، حتى إذا نفد ما في الكيس ألقاه إلى جارية سوداء، فجمعته ثم دفعته إليه.‘‘ (كتاب الصلوة، باب في عقد التسبيح وعدد الحصى: (۵/ ۲۱۷)، رقم الحديث: ۷۷۴۳، ط: إدارة القرأن)

ترجمہ: ’’حضرت ابونضرہؒ ایک طفاوی شخص سے روایت کرتے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا، ان کے پاس ایک تھیلی میں کنکریاں یا کھجور کی گٹھلیاں تھیں، وہ یہ کلمات پڑھ رہے تھے: سبحان الله سبحان الله۔ جب تھیلی میں موجود کنکریاں یا گٹھلیاں ختم ہوگئیں تو انہوں نے وہ تھیلی ایک سانولی سی باندی کی طرف پھینکی، اس نے کنکریوں یا گٹھلیوں کو (تھیلی میں) جمع کیا، پھر انہیں تھیلی لوٹا دی۔‘‘

۵- ’’عن مولاةٍ لسعدٍ أن سعدا كان يسبّح بالحصى أو النوى.‘‘

(أيضًا، رقم الحديث: ۷۷۴۰)

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی باندی کا بیان ہے کہ وہ کنکریوں یا کھجور کی گٹھلیوں پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔''

۶- ''عن أبي هريرة أنه كان له خَيْطٌ فيه ألف عقدة، فلا ينام حتى يسبّح.''

(نيل الأوطار، أيضا: ۲/ ۳۱۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لمبا دھاگہ تھا، جس میں ہزار گرہیں تھیں، وہ سونے سے قبل اس پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔''

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ''المِنْحة في السُبْحة'' کے نام سے مستقل رسالہ لکھا ہے جو ان کے مجموعۂ رسائل ''الحاوي للفتاوي'' میں مذکور ہے، اور اس میں اس موضوع کی بہت سی احادیث وآثار جمع فرمادیے ہیں، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''ولم يُنقل عن أحد من السلف ولا من الخلف المنعُ من جواز عد الذكر بالسبحة، بل كان أكثرهم يعدّونه بها، ولا يرون ذٰلك مكروها.''

(الحاوي للفتاوي، ص: ٤١٢، ط: رشيدية)

یعنی علمائے سلف وخلف میں سے کسی نے تسبیح کے ذریعہ اذکار کے شمار کرنے سے منع نہیں کیا، بلکہ اکثر سلف کے ہاں تسبیح کے ذریعہ شمار کرنے کا معمول رہا ہے، اور وہ اسے ناپسند نہیں کرتے تھے۔ نیز حضرت مولانا محمد عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلے میں ''نزهة الفكر في سُبْحة الذكر'' الملقب بـ ''هدية الأبرار في سُبْحة الأذكار'' نامی ایک رسالہ لکھا ہے، جو ان کے ''مجموعہ رسائل'' میں مطبوع ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ:

① - تسبیح کا استعمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر سلف وخلف سے ثابت ہے، لہٰذا ایک ثابت شدہ چیز کو محض اس وجہ سے نہیں چھوڑا جاسکتا کہ عیسائی بھی اس کا استعمال کرتے ہیں، نیز اسے بدعت کہنا بھی درست نہیں۔

② - بعض اذکار کی مخصوص تعداد کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے، ان کو شمار کرنا برا نہیں اور نہ ہی یہ گن کر عبادت کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ اور اگر گننے کے زمرے میں آئے تب بھی کوئی حرج نہیں؛ اس لیے کہ جب گن کر نماز کی رکعتیں پڑھتے ہیں، قرآنی حکم کے مطابق شمار کرکے روزے رکھتے ہیں، گن کر ہی زکات ادا کرتے ہیں تو پھر گن کر تسبیح پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟

③ - آج کل ڈیجیٹل تسبیح کا رواج ہے، اس کے استعمال کا بھی یہی حکم ہے۔

اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ۴/ ۲۶۰-۲۶۱، مکتبہ لدھیانوی، کراچی